## ترجمہ

# تاویل الاحادیث

(ادارہ)

دوسری نشانی یہ تھی کہ حضرت مریم ایک سوکھی ہوئی کھجور کی طرف پناہ لے گئیں، وہ سرسبز ہوگئی اور چند ساعتوں کے اندر اس نے پھل لایا اور خدا نے وہاں ایک چشمہ پانی کا پیدا کیا۔

تیسری نشانی یہ تھی کہ جب سیدہ مریم پر زنا کی تہمت لگی تو خدا نے اس کو اس سے اس کے بچے کے ایسے وقت میں بولنے سے بری کر دیا جس عمر میں بچے نہیں بولتے، کیونکہ اس میں قوتِ روحیہ پوشیدہ تھی، اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے تو خدا کی طرف سے اس کو علم، کتاب اور حکمت عطا ہوئی۔ اس میں کسی تعلیم کو دخل نہ تھا۔ اُن پر نشانیاں ظاہر ہوئیں، لوگ جو کچھ کھاتے اور گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے وہ سب ان کو بتاتے تھے، اور وہ مٹی سے پرندے کی شکل پر ایک پرندہ بنا لیتے تھے پھر اس میں پھونکتے تھے، تو اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا۔ حضرت مسیح کی مٹی میں پھونک کے ساتھ اس میں زندگی آجاتی تھی، پھر یہ دو چیزوں کے درمیان دائر تھا، حضرت مسیح کا زور سے پھونک مارنا اور اس کا زندہ ہونا، اس کے بعد وہ جانور گر کر مردہ ہوجاتا۔

حضرت مسیحؑ اللہ کے اذن سے مردوں کو زندہ کرتے تھے، پھر نفس بدن سے وہی تعلق رکھتا تھا اور یہ حقیقی زندگی کا تعلق نہ تھا، حضرت عیسٰی علیہ السلام کی دعا سے اس وہی تعلق میں اللہ کی طرف سے برکت ہوتی اور اس سے اس پر زندگی کا عکس پڑتا تو مردہ، زندہ ہو جاتا، پھر جب عیسٰی علیہ السلام جدا ہوتے تو وہ اسی وقت مر جاتا۔

عیسٰی علیہ السلام کے دین میں بڑی گنجائش اور آسانی تھی، کچھ ایسی چیزیں جو اُن کے لئے حرام تھیں وہ ان کے لئے حلال کر دی گئی تھیں، اس لئے کہ تکلیف وہ احکام اس وقت اُترتے ہیں جب ملکیت کا بہیمیت سے تصادم ہوتا ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام تو گویا زمین پر چلنے والے ملک تھے، اس لئے یہود نے ان پر زندیق ہونے کی تہمت باندھی اور ان کے قتل پر جمع ہو گئے۔ انہوں نے ایک تدبیر کی اور اللہ نے بھی ایک تدبیر کی اور اللہ سب سے اچھا تدبیر کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک مثالی صورت بنائی اور اس کو آسمان کی طرف اٹھا دیا اور اس کی قوم یا دشمن کے کسی شخص کو ان جیسا بنا دیا تو وہ عیسٰی علیہ السلام کے شبہ میں قتل ہوا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے گروہ کو دشمن پر مدد دی اور وہ دشمن پر غالب آئے۔

## تاویل احادیث نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے وہ اصول جو ان علوم کی تاویل اور تعبیر کے مرجع ہوتے ہیں بہت سے اُمور ہیں:

ایک یہ کہ ملأ اعلیٰ (مقدس ملائکہ کی جماعت) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اس طرح ایک فطری مناسبت تھی کہ آپ کا نفس ناطقہ بلند تھا اور آپ کا وہ مزاج جس کا تعلق نسمہ یا روح طبی سے ہوتا ہے کامل و معتدل تھا کہ اچھے اخلاق کا مستوجب تھا اور ان کا اجتماع اتفاق اور یک جہتی پر تھا[1]، اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ملأ اعلیٰ کی طرف سے آپ کے

[1] مطلب یہ ہے کہ آپ کا نسمی مزاج، نفس ناطقہ کے مقتضیٰ کا مصادم نہ تھا، ان دونوں کے تقاضا میں اتفاق تھا۔

قلب مبارک میں دوامی تائید ہوتی رہے اور یہ تائید کبھی اس طرح ظاہر ہوتی تھی کہ ملأ اعلیٰ کی جماعت آپؐ کو دکھائی دیتی تھی اور کبھی آپ سے باتیں کرتے تھے اور آپؐ کے دل میں الہام کرتے تھے اور کبھی آپؐ ان کو خواب میں دیکھتے تھے۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک بہادر انسان ہو جو اپنی شجاعت میں کامل ہو، اس کی یہ شجاعت اسے تھوڑی سی بات پر دشمن سے مقابلہ کرنے، جنگ میں کود پڑنے اور مار دھاڑ کرنے پر دمبدم اُبھارتی رہتی ہے۔ ہر خُلق اپنے آثار سے یہی نسبت رکھتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب آپؐ اپنی بیداری اور نیند میں ملأ اعلیٰ کی تائید کے لئے فارغ ہوتے اور منتظر رہتے تھے تو ملأ اعلیٰ کی طرف سے ان اسباب کے موافق جنہوں نے آپؐ کو گھیرا ڈال رکھا تھا۔ اللہ کی مشیت کے مطابق وہاں سے تائید کا فیضان ہوتا رہتا۔

(آپ کے اور ملأ اعلیٰ کے درمیان) اس تعلق اور ربط کی بنا پر آنحضرتؐ کی ہمّت ملأ اعلیٰ کی طرف مصروف تھی اور ہر وقت ان کی برکتوں نے آپؐ کو احاطہ کر رکھا تھا اور یہ اوقات آپؐ کے جہاد وغیرہ میں مشغول ہونے کے اوقات ہوں یا مسجد میں اعتکاف کے اوقات ہوں، اور اس تعلق کی بنا پر آپؐ کے اکثر معجزے برکت کے تھے، کھانے، پینے وغیرہ سب میں برکت ہوتی تھی۔

اس کا منشا یہ ہے کہ وہ نفس، جو ملأ اعلیٰ کی تائید کے لئے تمثال یا تصویر کی حیثیت رکھتا تھا جب اپنی کوشش ہمت سے کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتا تھا تو ان کی ہمتوں کی فراخ راہ کھل جاتی تھی، اور ملأ اعلیٰ کی ہمتیں، عالم موالید (حیوانات، نباتات اور جمادات) کو الہام، احالہ اور تقریب کے ساتھ مسخر کرتی رہتی ہیں۔ پس اگر وہ (ملأ اعلیٰ کے ملائکہ) آگ کے ظہور کا ارادہ کرتے ہیں اور موالید میں اس کے لئے اور کوئی سبب نہیں ہوتا یا کوئی ایسا کمزور سبب ہوتا ہے جو آگ کے پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتا تو ملأ اعلیٰ کی ہمّتیں آگ کے پیدا ہونے کو واجب کر دیتی ہیں، اسی پر الہامات کو قیاس کریں۔

اسی خصلت کے باعث آپ کا سینہ شق ہوا اور اس میں حکمت اور ایمان بھرا گیا، آپؐ کو بیت المقدس کی سیر کرائی گئی، پھر آسمانوں تک اور اس کے بعد جہاں

اللہ نے آپؐ کو بیت المقدس کی سیر کرائی گئی، آپ نے انبیاء علیہم السلام کی ارواح دیکھیں اور ملائکہ کو ان کی اپنی صورتوں اور اشکال میں دیکھا اور انسانِ اعظم[1] کے دل پر جو حق کی تجلی پڑتی ہے آپؐ وہاں تک پہنچے اور وہاں سب سے اچھی صورت میں ظہور فرمایا۔

دوم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس استعداد سے جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو عطا کیا تھا، ملأ اعلیٰ سے تہذیب نفس کے علم کو حاصل کرنے کے مستحق تھے، کیوں کہ آپؐ نفس عالیہ، روح کامل اور مزاج متفق کے صاحب تھے۔ اس کی صورت یہ تھی کہ آپؐ نے دیکھا کہ جملہ نیکیوں کا مدار چار اخلاق پر ہے اور جملہ برائیوں کا مدار ان چار اخلاق کے اضداد پر ہے اور اس کے ضد اور مخالف سے انسان تکالیف کو محسوس کرتا ہے، جس طرح کوئی انسان بھوک اور پیاس کو محسوس کرتا ہے تو وہ کھانے اور پینے کی طرف راغب ہوتا ہے اور ان کے نہ ملنے سے اسے تکلیف محسوس ہوتی ہے، پھر آپ سے خود بخود ان اخلاق کے آثار ظہور پانے لگے، جیسے مرد شجاع سے بہادری کے آثار خود بخود نمایاں ہوتے ہیں۔ اور جس کی فطرت میں عدالت ہو اس سے سیاستِ مُدُن اور تدبیرِ منزل جیسے آثار ظاہر ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا یہی مقصد ہے جو فرمایا، وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ (اور ہم نے ان کی طرف اچھے کام کرنے کی وحی کی)۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور میں تأمل کیا جو اس زمانے میں نیکی اور گناہ کے کام تھے، اور آپؐ نے اس کو جان لیا کہ دونوں اقسام کا منشأ ہیئاتِ نفسانیہ ہیں اور نفس کے تزکیہ اور آلودگی میں دونوں مؤثر ہیں۔ آپؐ نے یہ بھی معلوم کیا کہ حالت مطلوبہ میں نیک کام کیوں کر زیادہ ہوتے ہیں اور حالت گریز میں گناہ کے کام کس طرح بڑھتے ہیں۔ آپؐ نے ہر عمل کے موقعہ اور ہر شئے کا وزن معلوم کیا پھر یہ معلوم کیا کہ اچھے اعمال کو کیسے کیا جاتا ہے اور برے کاموں سے کس طرح اجتناب کیا جاتا ہے اور اس کو بھی معلوم کیا کہ

---

[1] انسانِ اعظم سے مراد نوع انسان کا امام ہے، اسی طرح عالم بالا میں ہر نوع مخلوق کا ایک امام ہوتا ہے جسے فلسفۂ یونان میں رب النوع کہا جاتا ہے، وہ امام، اپنے نوع کے افراد کی ایک مثالی شکل ہوتا ہے۔

اعمال کے آداب اور ان کے مکملات اور دواعی کیا ہیں۔ یہ سب علوم، نفس کے آئینے میں تامل کرنے سے بطور وجدان اور قیاس کے ظاہر ہوئے۔

تیسرا اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی سمجھ عطا فرمائی تھی کہ جس سے ارتفاقات (باہمی معیشت کے اصول) کو جانتے تھے جیسے آداب معیشت، تدبیر منزل، باہمی معاملات، سیاست مُدن اور امت و قوم کی سیاست۔ آپ نے وہ مصلحتیں جان لیں جن کا قوم خیال رکھتی ہے۔ صحیح اور سقیم کو معلوم کیا اور اس کو بھی جان لیا جو ان آرائے کلیہ کے لائق ہے جو حق تعالےٰ کی طرف سے اُترتی ہیں اور آرائے جزئیہ کو بھی معلوم کیا جو کہ نفوس کے خطرات، سرداروں اور بادشاہ کے ظلم وغیرہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

ان کی مثال ایک فقیہ کی طرح ہے جو اپنے مشائخ کے مسائل میں تامل کرتا ہے، پھر ہر ایک شئے کی وجہ معلوم کرلیتا ہے اور جن امور کلیہ (قواعد) کو انہوں نے تلاش کیا تھا ان کو بھی جانتا ہے، اور صحیح کو فاسد سے تمیز کرتا ہے۔ یا جیسے عادل حکیم بادشاہ جو گزشتہ بادشاہوں کے رسوم اور عادات کو جانتا ہے اور ان مصلحتوں کا بھی اس کو علم ہے جن کی پچھلے بادشاہوں نے تلاش کی تھی اور ذرائع اور دواعی کو بھی جانتا ہے پھر ایک شئے کو اس کے وسائل کے روکنے سے روک دیتا ہے۔ اگر تم بادشاہوں کی تاریخ میں غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ایک بادشاہ نے بھاؤ سستا کرنے کا ارادہ کیا تو اس کو پہلے یہ غور کرنا ہوگا کہ گرانی کا سبب زراعت کی کمی ہے یا تاجروں کی قلت۔ اس کے بعد اس نے گرانی کے سبب دور کرنے کی کوشش کی اور اس کو مطلوب حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا یا کسی حاکم نے یہ ارادہ کیا کہ کسی قوم کے شر سے وہ امن میں رہے تو ان کو حکم دیا کہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں اور ہتھیار نہ باندھیں اور اس قوم کے مددگار بننے سے لوگوں کو اس طرح روکنا چاہا کہ باہمی بیاہ شادی نہ کریں اور بادشاہ کی اجازت کے بغیر آپس میں ملاقات نہ کریں اس کے مانند اور بھی بے شمار باتیں ہیں۔ اسی طرح سیاست کی مصلحتوں کا نکالنا اور سمجھنا ہوتا ہے۔

چوتھا اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر لطف کرنے کا ارادہ کیا کہ اپنی رحمت کا ایسا چشمہ جاری کرے جس پر عرب وعجم کے سب لوگ وارد ہوں اور وہاں مہلک پیاس سے نجات پاکر سیراب ہوں۔ یہ اس لئے کہ عرب وعجم ان فاسد رسومات کے پابند تھے جو اچھے ارتفاقات کی منافی تھیں، دین کی باتوں سے پیٹھ پھیرے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سے ان باتوں میں زیادہ جاہل تھے جن سے ان کو تہذیبِ نفس حاصل ہوتی، یہ لوگ آخرت کی یاد سے بڑے بے خبر تھے، اللہ کے جلال اور اس کی توحید سے غافل تھے بتوں اور شیطانوں کے پجاری تھے، کمزوروں پر بڑا ظلم کرتے تھے، قطع رحمی ان میں زیادہ تھی، اس حالت میں خدا کا ان پر یہ لطف تھا کہ انہیں ان کی بری باتوں پر تنبیہ کی جائے اور انہیں حق کا راستہ دکھایا جائے اور ان کو سیدھے راستے پر چلایا جائے چاہے وہ مانیں یا انکار کریں۔ یہ لطف اس کی تدبیر کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور تدبیر، صفتِ خلق کی بقایا (اور اس کے بعد کی) چیز ہے اور خلق، ابداع کے بقایا سے ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفسِ کلیّہ کو پیدا کیا تو اس کو بہت سے احوال کے لیے سواری بنالیا، اس لئے کبھی وہ انسان ہوتا ہے کبھی گھوڑا، کبھی پتھر وغیرہ۔ ان امور میں نفسِ کلیہ کا قوت سے فعل کی طرف نکالنا نظم طبیعی پر ہے اور یہ خیر سے عبارت ہے جو نفسِ کلیہ کے ابداع کے بقایا (اور لوازمات میں) سے ہے اور جس جود نے نفسِ کلیّہ کے ابداع اور پیدائش کی خواہش کی تھی یہ اس کی مقتضیٰ ہے۔ پھر جب عالم اپنی تفصیل سے وجود میں آگیا اور مخلوق کے ہر نوع اور شخص کو ایسی صورت عطا ہوئی جو اس کے مخصوص آثار کی متقاضی تھی اور اس کو اس کے آثار سے روکنا خیر نہ تھا اور نہ ہی ان حوادث کا ظاہر ہونا خیر تھا جو اچھے نظام کے منافی تھے تو ضروری ہوا کہ ارضی اسباب میں ہیجان ہو اور ایسی تحویلات (و تقریبات) وجود میں آجائیں جو اشیاء کو اچھے نظام کے قریب لے آئیں اور اس سے خلق وپیدائش کی تکمیل وتتمیم ہوتی ہے۔ ان تینوں میں جود ذاتی کی مثال اس طرح ہے جس طرح کوئی سیلاب زمین پر آجائے یہاں تک کہ جب کوئی سدّ اور پشتہ اس سے

مزاحمت کرے تو پانی اس کے سوراخوں میں گھس جائے اور پھر وہ کسی سوراخ سے مثلث شکل کی صورت میں نکلتا ہے، کسی سے مربّع اور کسی سے گول دائرہ کی شکل میں، پھر اس پانی کو ایک دوسری دیوار روک دے جو پہلی سے زیادہ مضبوط اور محکم ہو تو اس وقت نمی اور رطوبت زمین اور ہوا کے مسامات میں نفوذ کرے گی تو اس طرح پانی کا کوئی اثر پہنچ جاتا ہے۔ واللہ اعلم

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ کا مذکور ارادہ ملأ اعلیٰ میں متمثل ہوا اور اس نے ایک مثالی شخص کی صورت اختیار کی جس کو ہم نبی الانبیاء کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور یہ شعائر الٰہیہ کی اصل اور بنیاد ہے، وہاں سے زمین پر اللہ کی رحمت کے قطرے ٹپکنے لگے اور ہر دور اور ہر زمانے میں موالید کے مسامات سے لطف وعنایت کے چشمے پھوٹ نکلے اور یہ سلسلہ ان زمانوں اور ان دوروں میں جو مخصوص واقعہ ہوتا تھا ان کے موافق تھا، تو بعضے زمانہ میں اس کا ترشح اور ٹپکنا بنی آدم کے قلوب پر تھا اور ایسے انسانوں کو رسل اور انبیاء کہا جاتا ہے، پھر یہ امر تمام نہ ہوتا تھا جب تک نظام زمین میں ایسا مادّہ پایا جائے جس میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ صورت اس میں منطبع ہو سکے جیسے آئینہ میں انسان کی صورت منطبع ہوتی ہے، تو جس آدمی کی صورت یہاں منطبع ہے وہ ارادہ ہے جو ملأ اعلیٰ میں متمثل ہے اور آئینہ انسانوں میں سے ایک شخص ہے جو حق کے لئے) جھگڑتا ہے، لڑائی کرتا ہے مال خرچ کرتا ہے اور لوگوں کی تالیف قلوب کرتا ہے، جیسے لوگوں کے بادشاہ کیا کرتے ہیں انطباع کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس (کامل انسان) کے افعال میں روح قدسی کی پھونک ہو۔ ارادہ متمثل بھی اسی کا نام ہے۔

اس آخری دورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات (صورت منطبعہ کے لئے) مادّہ کی حیثیت رکھتی تھی، تب وہاں سے احکام الٰہیہ کا چشمہ پھوٹ نکلا اور اس کے پھوٹنے کے بعد مبہم احکام کا ضبط اور مقادیر کی تعیین بھی ہوئی اس لئے کہ لوگوں کو ایک ایسے مضبوط امر کا مکلف بنایا جائے جس کو تحریف لاحق نہ ہو سکے اور اس میں تسلسل خلل انداز نہ ہو اور وہ امر محسوس کی طرح ہو۔ جس کو قوم ہاتھوں ہاتھ لے لے اور تقرب الی اللہ

یں اسی سے تمسک کریں۔ پھر اللہ نے قرآن عظیم کو نازل فرمایا اور ان کے لئے خانۂ قدیم (بیت اللہ) کا طواف شروع فرمایا اور ان کو احکام الٰہی کا امر کیا۔ قرآن عظیم عربی زبان میں ہی معین ہوا اور بیت اللہ بھی وہی مقرر ہوا جس کا کئی صدیوں سے طواف کرتے آرہے تھے۔ اور شرائع بھی وہ جاری کیں جو اسماعیلیہ اور اسحاقیہ امتوں میں شائع تھیں، اسی کی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں (وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ) اور اس نے دین کے احکام میں تم پر کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔ تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر قائم رہو۔[1]

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے ساتھیوں اور صحابہ کی جماعت کے اصل اور اساس میں اللہ تعالیٰ نے امانت کو اتارا۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کے سینوں میں (حق کی حمایت کے لئے) جہاد کا جذبہ اس طرح پھیل گیا جیسے مشک کو پھونکنے سے اس میں ہوا پھیل جاتی ہے۔ پھر وہ ایک امت ہوگئی جس کو لوگوں (کی ہدایت) کے لئے ظاہر کیا گیا[2]، اور اللہ کی رحمت نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم غالب ہوا اور اسلام صحرائی اور شہری سب کے گھر میں طوعاً وکرھاً پہنچ گیا۔

پانچویں اصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس قدسیہ میں یہ صلاحیت تھی کہ اس پر گزرے ہوئے یا آنے والے زمانے کے واقعات منکشف ہوں اور یہ اس لئے تھا کہ بڑے کلیہ واقعات اپنی مثالی صورت سے ملأ اعلیٰ میں صورت پاتے ہیں اور جزئی واقعات جو کہ معمولی اسباب سے پیدا ہوتے ہیں اور ان سے ملأ اعلیٰ میں رضا یا ناراضگی کا (پہلے) کوئی اثر پیدا نہیں ہوتا۔ ملأ اعلیٰ میں صرف اس وقت صورت پاتے ہیں جب ان کے موجود ہونے کا زمانہ قریب آتا ہے، باقی آنے والے واقعات کے لئے تو اسباب ہوتے ہیں جو ان کو ضروری بنا دیتے ہیں اور ان کے اسباب کے لئے بھی اسباب

---

[1] سورۃ الحج ۷۸۔ [2] اس میں قرآن مجید کی سورۃ آل عمران کی آیت ۱۱۰ کی طرف اشارہ ہے وہ آیت اس طرح ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

ہوتے ہیں، اسی طرح یہ سلسلہ چلا جاتا ہے۔ پھر جب یہ نظام جملہ اسباب تک پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی جود اور رحمت اس کو ضروری قرار دیتی ہے کہ جس واقعے کے اسباب وجود میں آگئے ہیں اس کی صورت ملأ اعلیٰ کی قوتوں میں صورت پذیر ہو اور جس قدر اسباب بڑھتے جائیں گے اور وقت قریب ہوتا جائے گا تو وہ صورت قوی ہوتی جاتی ہے۔

اس کا راز یہ ہے کہ نظام طبیعی جو نفس کلیہ کی صورت جزئیہ کا دوسرا نام ہے، اس نظام کی معرفت کو علم اعلیٰ کہا جاتا ہے۔ پھر انسانوں میں جو سب سے پاک طینت کا انسان ہوتا ہے اس کے پاس واقعہ اپنے اول ظہور میں ہی مثالی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور جو شخص اس سے کم درجے کا ہوتا ہے اس کے لئے حادثہ کا صورت پذیر ہونا بعد میں ہوتا ہے، اسی طرح قیاس کرتے چلے جاؤ!

گذرتے ہوئے واقعات کی معرفت اس طرح ہوتی ہے کہ ہم نے کشف سے یہ معلوم کیا ہے کہ حظیرۃ القدس' کی فضا میں بندوں کی صورتیں معلق رہتی ہیں۔ جب کوئی بندہ نیک عمل کرتا ہے تو اس سے اس کا نفس کامل ہوتا ہے، ملأ اعلیٰ کے ملائکہ اس سے راضی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے، اسی کی مثالی صورت میں نور اور روشنی ظاہر ہوتی ہے اور وہاں سفید نقطہ پیدا ہوتا ہے اور جب کوئی بندہ برا کام کرتا ہے تو اُس سے اس کا نفس خراب ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے ملأ اعلیٰ میں ناراضگی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرتا ہے، اس کی صورت میں تاریکی اور سیاہی آجاتی ہے اور وہاں سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ صورت حظیرۃ القدس میں اس وقت تک رہتی ہے، جب تک اس دورے کے ختم ہونے کا وقت آجائے۔ جب یہ دورہ ختم ہوگا تو صورت بھی ختم ہو جائے گی۔ جب کوئی عارف ملأ اعلیٰ کے ساتھ مل جاتا ہے تو اللہ کی مشیت سے' ان صورتوں کے دیکھنے سے ان کے سب حالات اس پر کھل جاتے ہیں، کسی کو کم علم ہوتا ہے تو کسی کو زیادہ۔ اس کا مدار' ان کے اللہ کے ہاں درجات پر ہے۔ ہم نے جو انبیاء اور اولیاء کے متعلق کچھ کلام کیا ہے اس کو بھی اس تحقیق کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔

کبھی کسی بڑے واقعے کے لئے (جو کسی عظیم انعام یا عام ہلاکت کے لئے ہوتا ہے) ملأ اعلیٰ

کے مدارک میں ایک مثالی صورت ہوتی ہے، کامل انسان کو اس کی معرفت ہوتی ہے اور اسی سے (واقعے کو) معلوم کر لیتا ہے اور کبھی عارف کے کان میں ایسی کوئی بات پڑ جاتی ہے، جو لوگ آپس میں کر رہے ہوتے ہیں اور ان کو خبر نہیں ہوتی وہ اس سے غافل ہوتے ہیں، تو ان واقعات کی تاویل سے عارف کو یہ سمجھ آجاتی ہے کہ وہ صحیح کی موضوع سے تمیز کر سکے پھر وہ واقع کے مطابق حق کی طرف ہدایت پاتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ایسا شخص کم ملے گا جو ملأ اعلیٰ کے ساتھ جا ملے اور اس کے نفس میں اس کے پیدائشی اصل مزاج کے موافق ان پڑے واقعات کا عکس نہ پڑے۔

جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس قدسی میں تمام عالم کی سیاست اور ملت کی امامت رکھی گئی تھی اور آپؐ عظیم تدبیروں میں ملأ اعلیٰ کے ساتھ قوی مشارکت رکھتے تھے۔ تو ضروری ہوا کہ آپؐ کے نفسِ مبارک میں پچھلے لوگوں کے قصوں اور مجموع واقعات کا اس قدر عکس پڑے جس کو ملت سے اشاعت یا اضاعت (ہلاکت) کے لحاظ سے کوئی مناسبت ہو، یا وہ انسان میں اس کے نظم طبیعی کا مقتضی ہو یا بڑے اسباب کا مقتضے ہو، قیامت کے واقعات بھی اسی طرح ہیں جیسے دجّال کا ظاہر ہونا، مہدی کا وجود، عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، دَابَّةُ الْاَرْضِ کا آنا، یاجوج اور ماجوج کا نکلنا۔ یہ سب واقعات تشبہ اور صورت پذیر ہونے کے لحاظ سے سب بڑے واقعات ہیں، کیوں کہ ان کا مبدأ نظم طبیعی ہے۔

ان کی تفصیل یہ ہے کہ ظہورِ قیامت کا آغاز اور اس کی شرائط تین چیزیں ہیں:-

(۱) عام حوادث، جن سے انسان، حیوان اور دوسری بہت سی چیزوں، نباتات اور معدنیات کی بربادی ہوگی، جیسے زمین میں دھنس جانا، عام موت، زلزلے، مہیب آوازیں اور باہمی لڑائیاں۔ ان کے لئے سماوی اور ارضی اسباب مہیا ہوں گے، جن سے ان واقعات کا ہونا ضروری ہو جائے گا۔

(۲) دوسری چیز یہ ہے کہ زمین سے خراب صورتیں اوپر جاتی ہیں، جن میں سے کچھ تو لوگوں کے ارادی اعمال سے پیدا ہوتی ہیں اور کچھ ایسی ہوتی ہیں جن میں اُن کو

کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ پھر فضا ان خراب رنگوں کے ساتھ صورت پذیر ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا جود ان ہی فاسد رنگوں سے ملوث ہوکر نکلے گا پھر دنیا ان نفوس کے پیدا ہونے کے لئے تیار ہو جائے گی جو اللہ کی طرف سے نوع انسانی کے لئے بنائی ہوئی حد سے باہر نکل جائیں گے اور افراط یا تفریط کو اختیار کریں گے تو بعض تجرد اور انسلاخ، (رہبانیات) کی طرف مائل ہوتے ہیں اور بعض بہیمیت کو اختیار کرتے ہیں اس سے نوع انسان میں بیماری پیدا ہوگی اور پھر دوسری ہیئتیں اوپر جائیں گی اور یہ پہلی ہیئتوں سے نہایت قبیح اور بدبودار ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کا جود بھی ان ہیئتوں سے ملوث ہوکر نازل ہوتا ہے۔ پھر (آگے چل کر) دنیا ایسے نفوس کے پیدا ہونے کے لئے تیار ہوگی جو پہلی حالت سے زیادہ اعتدال سے خارج ہوں گے اور اسی طرح ہوتا رہے گا یہاں تک کہ قیاسات خلل پذیر ہوں گے اور کوئی نجومی اپنے علم نجوم میں سچا نہ ہوگا اور نہ کوئی طبیعی عالم اپنی طب میں صادق ہوگا اور نیکی بالکل رک جائے گی اور زمین پر کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا پیدا نہ ہوگا۔ زمین پر بہت سے حوادث پیدا ہوں گے یا دعا اور ارواح کی طرف توجہ وغیرہ جیسے عارضی اسباب کی وجہ سے وہ رک جائیں گے اس وقت اس نظام کا ختم کرنا ضروری ہو جائے گا۔

(۳) حکمتِ ربانی میں ایک مخفی راز ہے جس میں چوں وچرا کی گنجائش نہیں ہے، جس طرح یہ نہیں کہا جاتا کہ آگ کیوں گرم وخشک ہے اور پانی کیوں ایسا نہیں ہے اور سورج کی مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کیوں تیز ہے اور مغرب سے مشرق کی طرف اس کی (ذاتی) حرکت ایک سال میں پوری ہوتی ہے۔

اس کے بعد ملت اور خلافت کے واقعات کی (عالم بالا میں) تشبیح کی نوبت آئی، خاص طور پر وہ واقعات جو کہ خلفائے راشدین کے دور میں ظاہر ہوئے۔ جیسے عراق، شام اور مصر کی فتوحات، مال و دولت کی فراوانی، اور یہ کہ کسریٰ ہلاک ہوا، اور اس کے بعد کسریٰ نہیں ہے۔ اور قیصر ہلاک ہوا پھر اس کے بعد قیصر نہیں ہے۔ پھر اس ظالم بادشاہ کے واقعات جو بنی امیہ میں ہوا، ان واقعات نے قوی اثر چھوڑا۔ پھر بنی عباس کی حکومت

کے واقعات ، اس کے بعد ترک سلجوقی ، چنگیزی وغیرہ کے فتنے ہوئے۔

جاننا چاہیئے کہ ان حوادث اور واقعات کی صورتوں کے مختلف طبقے اور درجے ہیں، جب کسی بڑے واقعے کو چھوٹے سے نسبت دی جائے تو چھوٹا یوں نظر آئے گا گویا کچھ بھی نہیں ہے ، تب حصر کے ساتھ کہا جائے گا کہ بس یہی حادثہ ہے ، جب اس کو کوئی ایسا شخص دیکھے گا جس کو حقیقتِ حال کا علم نہیں ہے تو وہ اس کو خلاف واقعہ سمجھے گا اور اس میں اعتراض کرے گا جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ ہمارا ملک شام ہی ہے ۔ اس میں جو انحصار معلوم ہوتا ہے اس سے ایک متحیّر کو حیرت ہوگی کہ شام کے سوا اور ملک بھی تو وسیع اور زیادہ ہے ۔ حق بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت کی طرف نظر فرمائی جو دوسرے درجے پر تھی پھر آپؐ نے اسی کی خبر دی، اور اس کو جب تیسرے طبقے سے نسبت دی جائے گی تو ایسا معلوم ہوگا کہ تیسرے طبقے میں کسی بھی شئے کی صورت نہیں ہے ۔ اور اسی طور آپؐ نے فرمایا کہ دین غالب ہوگا جب تک بارہ خلیفہ ہوں ، (اس کو سُن کر) شک کرنے والا یہ شک کرے گا اور کہے گا کہ اس سے اگر خلافتِ نبوّت مراد ہے تو وہ تیس برس میں گزر گئی اور اس میں چار خلیفے ہوئے اور اگر خلافت سے مراد عدل و دیانت کا دور ہے تو یہ بارہ خلفاء کے دور میں تھا اور ان کے بعد بھی عدالت اور دیانت احسن طریقے پر رہی ہے اور اگر بارہ خُلفاء سے مراد متفرق ہے ، تو عادل لوگ ان بارہ سے زیادہ گزرے ہیں ۔

حق یہ ہے کہ ملّت کو درجہ بدرجہ انحطاط اور تغیر لاحق ہوتا ہے ، جو بات چار خلفائے کے دور میں تھی وہ دوسروں کے عہد میں نہ تھی ، اور جو کچھ شام کی حکومت کے دور میں تھا وہ بعد میں نہ رہا ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں طبقوں کو شمار فرمایا ، اور ان کے بعد کے دَور کا زیادہ خیال نہ فرمایا ، تو یہ دو طبقے بارہ خلفائیں پورے ہوگئے جو سب کے سب قریش میں سے تھے ۔ چار تو خلفائے راشدین ہیں اور حضرت معاوؓ حضرت عبداللہ بن زبیر ، عبدالملک اور اس کی اولاد سے چار اور حضرت عمر بن عبدالعزیز ۔ پھر رونما ہوا جو کچھ ہوا ۔ اسی طرح قربِ قیامت کے سلسلے میں آپؐ نے فرمایا کہ میں قیامت

کے آگے بھیجا گیا ہوں۔ اس میں آپؐ نے ان وقائع اور مدت کو شمار نہ فرمایا جو اس سے پہلے ہیں۔

چھٹی اصل یہ ہے کہ نور جس کا ہم نے پہلے نبی الانبیاء نام رکھا ہے، اس لائق تھا کہ خدا پاک کی طرف سے خاص رحمت کے نزول میں حق کا جارحہ بنے، ایسی رحمت کہ گنہگاروں کے نفوس کو اچھی طرح گھیر لے، ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے اور دنیا کی جن خسیسہ ہیئتوں سے ان کے نفوس آلودہ ہوگئے ہیں یہ رحمت ان کو ہٹا دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت اللہ تعالیٰ کا جارحہ بنتا، اس کا منشأ وہ لطف ہے جو آج کے دن شرائع کے نزول، پیغمبروں کے بھیجنے اور زمین میں اللہ کے شعائر مقرر کرنے کا سبب ہوا۔ لیکن یہ ایک نہایت کامل انسان کی پرجوش ہمت پر موقوف ہے، تاکہ اس کی ہمت پگھلے ہوئے سونے کے قالب کی طرح ہو یا پرندوں کے گھونسلے کی طرح یا جیسے مبہم مادہ کے لئے صورت ہوتی ہے۔ اس کی مثال نفس کلیہ جیسی ہے کہ وہ زمین پر نہیں اترتا اور نہ موالید میں ظاہر ہوتا ہے اور نہ ہی مخصوص قالبوں میں متقین ہوتا ہے مگر انسان کے استعدادات اور صوتوں کی بارش کے ساتھ اس کا نزول ہوتا ہے۔ اسی لئے نفس ناطقہ کے فیضان کے لئے والد کا نطفہ اور والدہ کا رحم شرط قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی طرح نفس نباتی کے فیضان کے لئے ہوا کا حلول، پانی کا زمین میں ہونا اور بیج کا واقعہ ہونا ان سب کو شرط قرار دیا گیا ہے۔ اسی پر دوسری چیزوں کو بھی قیاس کریں۔

تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنی سابق تقدیر میں یہ مقدر کر رکھا تھا کہ یہ شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے، اس دن وہ خدا کی طرف (دُعا کی) بڑی رغبت کریں گے، ان کی دعا کی وجہ سے اللہ کا جود نبی الانبیاء کے ذریعے برستا رہے گا۔ یہ راز آپؐ کے نفس مبارک میں پوشیدہ ہوا، آپؐ نے اپنی ذات کی معرفت سے اس راز کو بھی جان لیا اور اس سے حشر کے واقعات کا علم بھی آنحضرتؐ کو حاصل ہوگیا اور اس سے یہ بھی

ضروری ہوگیا کہ آپؐ تمام انسانوں کے قائد اور امام بنیں اور تمام لوگ حضرت آدمؑ اور ان کے سوا سب لوگ آپؐ کے جھنڈے تلے جمع ہوں اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفاعتِ کبریٰ کے فاتح ہوں۔ آپؐ کی شفاعت کے لحاظ سے لوگوں میں زیادہ سعادت مند وہ انسان ہوگا جس نے اپنے نفس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی استعداد اور ملکہ حاصل کیا ہوگا اور آپؐ پر زیادہ دُرود پڑھا ہوگا۔ آپؐ کے اس کمال سے چار علوم پھوٹ کر نکلے :

ایک علم محاسبہ ہے، محاسبہ کہتے ہیں ان اچھے اور بُرے اعمال کی اطلاع پانے کو جو نفوس کے دامن سے چمٹے ہوئے ہیں اور ان کا اثر نفوس میں نقش ہوچکا ہے۔ اور علم محاسبہ کی دوسری بات یہ ہے کہ ہر عمل کے عذاب یا ثواب والی خاصیت کو بھی معلوم کیا جائے۔ اس دن اس پر اطلاع اس طرح ہوگی کہ نفوس پر جو دُنیا کی غلیظ تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں، وہ سب چھٹ جائیں گی، تو یہ محاسبہ انسانوں کی وجہ سے اس دن مخصوص ہوگا، باقی اگر حق تعالیٰ کی طرف سے دیکھا جائے تو محاسبہ میں کوئی تجدد نہیں ہے، یہ ہر وقت ہوتا رہتا ہے۔

جب محاسبہ کا وقت آئے گا تو حکمتِ الٰہیہ کے ہاں یہ ضروری ہوگا کہ مثالی صورتیں ظاہر ہوں، جن میں محاسبے کی روح داخل ہوجائے، اور اس میں انسان اکبر کی طرف سے تخصیص پیدا ہوگی، جیسے انسان اصغر کی طرف سے یہ تخصیص ہوتی ہے کہ اس کے مدرکات میں بزدلی خرگوش کی صورت میں اور غضب شیر کی شکل میں دکھائی دیتا ہے۔

اہم مثالی صورتیں جن کو پیغمبر علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے چند چیزیں ہیں:
ایک عرضِ اعمال اور اعمال کا ان کے مناسب ذاتی اشکال میں صورت پذیر ہونا یہ صورتیں کسی طرح ان کو لازم ہوتی ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال و دولت کی زکوٰۃ نہ دینے والے کے متعلق یہ فرمایا کہ اس کی گردن میں گنجے سانپ کا طوق پڑے گا، یا اونٹ اپنے پاؤں سے اُس کو روندیں گے اور گائیں اُس کو اپنے سینگ

ماریں گے[۱]۔ غاصب اور خائن کے حق میں بھی اسی طرح آیا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ غادر یعنی عہد شکنی کرنے والے کے سُرین پر جھنڈا گاڑا جائے گا[۲]۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا نور ان کے آگے آگے چلے گا[۳]۔ یا وہ صورتیں عرضی ہوں گی جیسے چہروں کا روشن ہونا یا سیاہ ہونا اور مؤذّن کی گردن کا دراز ہونا، وغیرہ۔

مثالی صورتوں کی دوسری مثال نامۂ اعمال کا پڑھنا، دائیں ہاتھ یا بائیں ہاتھ سے یا پشت کی طرف سے نامۂ اعمال کو پکڑنا اور اللہ تعالیٰ کا اس طرح کلام کرنا: کیا میں نے تجھ کو سردار مُطاع نہیں بنایا تھا[۴]۔

تیسری مثال یہ ہے کہ ہر امت کو حکم ہوگا کہ اپنے اپنے معبود کے پیچھے ہو جائے پھر وہ ان کو جہنّم میں گرائے گا اور مؤمن خاص تجلّی کے ذریعہ بچ جائیں گے جس کو انہوں نے اللہ اور اس کی صفات کا صاحب اعتقاد کیا تھا۔

چوتھی مثال میزان کا قائم ہونا اور اعمال کا تولنا، یہاں تک کہ وہ پرچہ جس میں لآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ ہوگا وہ تولا جائے گا۔

پانچویں مثال چھپی ہوئی خصلتوں کا ظاہر ہونا، جنہوں نے دینی اعمال کی خاص صورت نہیں پائی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک چیز کا حکم فرماتا ہے اور اس کی تعمیل کی جاتی ہے تو اس سے تابعداری اور رجاء وغیرہ ظاہر ہوتی ہے۔

چھٹی مثال پُل صراط کا کھڑا کرنا اور دوزخ کے کانٹوں کا ظاہر ہونا تو کچھ

---

[۱] یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے، جس کو ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔
[۲] اس حدیث کو امام بخاری نے بروایت حضرت ابن عمرؓ اپنی صحیح میں "باب اثم الغادر" میں ذکر کیا ہے۔
[۳] سورۂ تحریم آیت ۸۔
[۴] اس حدیث کے لئے دیکھئے کتاب النہایۃ تالیف حافظ ابن اثیر جزری جلد ۲ صفحہ ۶۲-۶۳ طبع خیریہ مصر۔

لوگ بجلی کی طرح گزر جائیں گے یا ہوا کی طرح یا عمدہ گھوڑے کی طرح۔ اور کچھ پیدل ہوں گے جو سلامت گزر جائیں گے اور کچھ لوگ زخم کھا کر نجات پائیں گے۔ بعض ایسے ہوں گے، جن کو کانٹے اچک لیں گے اور وہ دوزخ میں گر پڑیں گے یہ سب حق تعالیٰ کی طرف سے محاسبہ کی صورتیں ہیں اور نفوس کا اپنے اعمال کی حالت پر اطلاع پانا ہے۔

دوسرا علم نزول رحمت ہے نبی الانبیاء کی راہ سے۔ ہم اس کی حقیقت پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ کئی صورتوں سے متمثل ہو کر ظاہر ہوتا ہے:۔

۱۔ انبیاء، رسل، اولیاء، قرآن اور اعمال کی شفاعت کا ہونا اور انبیاء اور ان کے ساتھی شہداء کا سرکش کافروں سے مخاصمہ کرنا اور جھگڑنا اور ان کا ان سے ہنسی کرنا اور ان کی مصیبت پر خوش ہونا۔

۲۔ حوض کا ظاہر ہونا اور یہ کہ مؤمن مخلص اس حوض کا پانی پئیں گے اور ان کے سوا دوسرے لوگوں کو اس حوض سے ہنکایا جائے گا، جیسے اجنبی اونٹ کو ہنکایا جاتا ہے۔

تیسرا علم، آرام اور تکلیف کا جوہری یا عرضی مناسب صورتوں سے متمثل ہونے کا علم ہے۔

جاننا چاہیئے کہ نفسِ انسانی جب تک دنیا میں ہوتا ہے تو اپنے بنی نوع کی طرح کئی طریقوں سے نفع حاصل کرتا اور آرام پاتا رہتا ہے، جیسے اچھا کھانا، اچھا پینا، مرغوب شادی، عمدہ لباس، اچھی رہائش اور دوسرے بھی کئی منافع ہیں جو ایک ایک فرد کے ساتھ مخصوص ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی اسی نوع سے ہے جو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جعفرؓ کے لئے ایک لونڈی پیدا کی ہے جو گندم گوں اور سرخ ہونٹ والی ہے۔ یہ اس لئے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو گندم گوں، سرخ ہونٹ کی طرف رغبت تھی۔ پیغمبر علیہ السلام کا اونٹ، اور گھوڑے کے متعلق فرمانا بھی اسی قسم سے ہے۔ تب کوئی ایسی آرام دہ حالت جو ہمارے ثواب

میں وہ انس، انشراح اور اطمینان کا لباس پہن کر آئے گی تو ایسی حالت مؤمن کو جنّت میں عطا کی جائے گی، اور اسی طرح کوئی تکلیف دہ حالت جس سے نفرت، وحشت اور تنگ دلی پیدا ہوتی ہے ایسی حالت کافر اور منافق کو دوزخ میں دی جائے گی جس کلمہ تھا جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی طرح شرح فرمائی۔

چوتھا علم، لوگوں پر جنّت کے ایک ٹیلے پر اللہ تعالیٰ کی تجلّی ہے، یہ ایک ایسا عطیہ ہے جو لوگوں کو ان کے عمل کی وجہ سے عطا نہیں ہوا بلکہ اس کو انہوں نے کسب کو چھوڑ کر وہبی اور جبلی بخشش سے حاصل کیا ہے۔ یہ عطا ان پر اس لئے ہوئی ہے کہ ان کو نفسِ انسانی عطا ہوا ہے اور اچھی صورت پر ان کی پیدائش ہوئی ہے، ہاں اعمال کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ موانع کو ہٹاتے ہیں اور حجابات کو اٹھا لیتے ہیں، اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح چاند کو دیکھتے ہو، پھر اگر تم میں سے کوئی یہ طاقت رکھتا ہے کہ صبح اور عصر کی نماز کو نہ چھوڑے (اور اس پر دوام کرے) تو یہ عمل کرو!

جاننا چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی ذات میں سوچنے کو ہمارے لئے مباح نہیں فرمایا بلکہ اس سے منع فرمایا ہے کہ "خالق میں تفکر نہ کریں" اور یہ بھی فرمایا کہ "رب تعالیٰ کی ذات میں سوچنا نہیں ہوتا" اس ہی میں اللہ کی صفات کی بحث بھی داخل ہو گئی یعنی اللہ کی صفات کے حقائق کا بیان اور صفات کے ساتھ ذات کے متّصف ہونے کی کیفیت کہ سمع و بصر دونوں غیرِ علم ہیں یا عینِ علم ہیں۔ کلام نفسی ہے یا کوئی دوسری شئے ہے۔ اسی پر دوسرے مباحث کو بھی قیاس کریں، باقی کچھ چیزیں ضرور ایسی ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب و عجم کے نفوس ادراک کرتے ہوئے پایا اور وہ ان صفات سے رب تعالیٰ کی توصیف کرتے ہیں تعظیم و تقدیس، تنزیہ اور تشبیہ کے ساتھ۔ جیسے یہ کہنا کہ اللہ کو مخلوق پر قدرت حاصل ہے۔ وہی اس دنیا کا نظام چلاتا ہے اور اس کی مانند (دوسری عبارتیں بھی ہیں)۔

جب آپؐ نے دیکھا کہ لوگوں کا کمال ان ہی چیزوں کی معرفت کے سوا کامل نہیں

ہوگا اور آپؒ نے یہ بھی دیکھا کہ لوگ ہر زمانے میں ان ہی اوصاف سے رب تعالیٰ کی توصیف کرتے آرہے ہیں اس لئے آپؒ نے بھی اللہ تعالیٰ کے واقعات اور نعمتوں کی تذکیر کی اساس ان ہی اوصاف پر رکھی اور اپنے کلام مبارک میں ان کو استعمال فرمایا جیسے وہ استعمال کرتے تھے، آپؒ نے ان کی حقیقتوں کی شرح اور کنہ کے بیان کرنے سے گریز فرمایا اور تشبیہات کے استعمال سے بھی آپ پیچھے نہ رہے جیسے ہاتھ، پیر اور ضحک (ہنسنا۔ وہ قرون جو پیغمبر علیہ السلام کے فرمودہ کے مطابق خیرالقرون ہیں وہ بھی اسی طرز پر گزریں، بعد میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنا نام 'اہل سنّت' رکھا، حالانکہ سنت ان سے کئی منزلیں دُور ہے۔ انہوں نے بے فائدہ باتوں میں کلام کرنا شروع کردیا اور ایسی بات کہنے لگے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کہی تھی۔ خُدا اس عام مصیبت سے پناہ میں رکھے اور اللہ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔

وہ معجزات جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ظاہر ہوئے ان کے وہ اصول جن کی طرف وہ معجزات رجوع ہوں، بلکہ جو کرامتیں جملہ کامل لوگوں کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوتی ہیں ان کی بھی اصل کئی چیزیں ہیں!

ایک، ہمت ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ انسان کے نفوس میں ایک نقطہ ہے جس کی طرف سب نفوس کھنچ کر آتے ہیں اور وہ ان پر غالب آتا ہے اور ان کو اپنی طرف اس طرح کھینچتا ہے جس طرح مقناطیس، لوہے کے اجزاء کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ پھر اگر قوی سعادت والا ہوتا ہے تو وہ اس کو واجب قرار دیتا ہے کہ اس کے نفس میں اور اس کے اردگرد میں جو لوگ ہیں ان کے نفوس میں بلکہ بہائم اور ملائکہ میں بھی ایسے خیالات ڈال دیئے جاتے ہیں جو اس کی رفاہیت (آرام) اور رفاقت کی رغبت دلائیں اور اگر وہ شقاوت اور بدبختی میں قوی ہوتا ہے تو وہ اس کو واجب کرتا ہے کہ اس کے نفس میں اور اس کے اردگرد جو انسان، ملائکہ اور بہائم ہوں، ان سب کے نفوس میں ایسے خیالات ڈال دیئے جاتے ہیں جو اس کو تکلیف میں ڈال دیں اور بلا میں پھنسائیں۔

(مسلسل)